

یہ اختلاف کب تک؟

تالیف

الشیخ محمد بن صالح العثیمین

ترجمہ

مشاق احمد کریمی

موسس و صدر الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار

طابع و ناشر

الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار



پوسٹ بکس نمبر (۲۲) ضلع کٹیہار پن کوڈ (۸۵۴۱۰۵)، بہار

ٹیلی فون: ۲۳۴۹۳۲، فیکس نمبر: ۲۲۵۸۹۶، سٹی کوڈ: ۰۶۴۵۲

جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ ہیں

سلسلہ مطبوعات الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار (۱۳)

نام کتاب :	یہ اختلاف کب تک؟
مؤلف :	شیخ محمد بن صالح العثیمین ترجمہ: مشتاق احمد کریمی
سن طبع اول :	۲۰۰۴ء
صفحات :	۳۶
تعداد :	۱۱۰۰
تقسیم کار :	معہد حفصہ بنت عمر حاجی پور، کٹیہار ۸۵۴۱۰۵
پروڈکشن :	الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار فون ۲۲۵۸۹۶
کمپوزنگ :	مکتب دعوت و توعیۃ الجالیات ربوہ، ریاض
طابع :	سرورق ڈیزائن:
قیمت :	۱۰ روپے

- ۱۔ ملنے کا پتہ: ۱۔ معہد حفصہ بنت عمر حاجی پور، کٹیہار، بہار ۸۵۴۱۰۵۔
- ۲۔ اپنا کتب خانہ، ایم جی روڈ کٹیہار، بہار ۸۵۴۱۰۵۔
- ۳۔ جنرل کتاب گھر، ایم جی روڈ کٹیہار، بہار ۸۵۴۱۰۵۔
- ۴۔ مکتبہ ترجمان، مرکزی جمعیت اہل حدیث ۴۱۱۶ جامع مسجد دہلی ۶۔
- ۵۔ مکتبہ جامعہ ابن تیمیہ، مسجد کالے خان، دریا گنج، نئی دہلی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یہ اختلاف وافتراق کب تک؟

إِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ، نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ
شُرُورِ أَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ أَعْمَالِنَا، مَنْ يَهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مَضِلَّ لَهُ، وَمَنْ
يُضِلِّهِ فَلَا هَادِيَ لَهُ، وَأَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ،
وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، أَرْسَلَهُ اللّٰهُ تَعَالَى بِالْهُدَىٰ وَدِينِ
الْحَقِّ، بِالْهُدَىٰ: بِالْعِلْمِ النَّافِعِ، وَدِينِ الْحَقِّ: بِالْعَمَلِ الصَّالِحِ
السَّدَادِ وَالصَّوَابِ، فَبَلَغَ الرَّسَالَهَ، وَأَذَى الْأَمَانَهَ، وَنَصَحَ الْأُمَّهَ،
وَجَاهَدَ فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ، فَصَلَّوْا اللّٰهُ وَسَلَامَهَ عَلَيْهِ وَعَلَىٰ آلِهِ
وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ، أَمَا بَعْدُ:

مجھے انتہائی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میں آج کی رات (بدھ ۲۲ ربیع الثانی
۱۴۱۲ھ، شہر جدہ کے امیر متعب بن عبدالعزیز کی مسجد میں) اپنے کچھ بھائیوں سے
ملنے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ وہ ہماری اس
ملاقات کو مفید اور خیر و برکت کا ذریعہ بنائے، آمین۔

پیارے بھائیو! ہم سب پر یہ بات مخفی نہیں ہے کہ ہم گزشتہ چند سالوں سے
رجوع الی اللہ، علم و عمل اور عقیدہ ہر اعتبار سے ایک نئی بیداری، نیا جذبہ و ولولہ اور نیا
جوش و لہر کی زندگی محسوس کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے یہی امید ہے کہ
مسلمانوں کے ہر طبقہ (نوجوان، ادھیڑ اور بوڑھے) میں کچھ افراد پائے جائیں جو

اس خالص و بے آمیز توجہ میں غرق رہیں کہ جس سے دنیا و آخرت کی سعادت و کامرانی اور عزت و غلبہ سے سرخروئی حاصل ہوتی ہے۔ اگر آپ اس بات کے لئے کتاب اللہ اور حقیقت واقعہ سے دلیل چاہتے ہیں تو بجز اللہ یہ بات بالکل عیاں ہے، ارشادِ باری ہے: ﴿هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ، وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ﴾ (التوبہ: ۳۳) ”اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے کہ اسے اور تمام مذاہب پر غالب کر دے، اگرچہ مشرک برامانیں“۔ ﴿لِيُظْهِرَهُ﴾ کا معنی غالب اور اوپر کر دینے کے ہیں، کیونکہ یہ ”ظہر“ سے مشتق ہے جس کے معنی اوپر کے ہیں۔

اس لئے یہ دین دوسرے تمام ادیان و مذاہب پر ضرور غالب ہوگا، مگر کس کے بل پر؟ ظاہر ہے اسلام کے ماننے والوں کے بل پر! اس لئے اسلام کے ماننے والے ہی وہ لوگ ہیں جن کے بل پر اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کرے گا، یہاں تک کہ سارے ادیان (یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور دیگر مذاہب) پر غالب کر دے گا، اس لئے دین اسلام سب پر غالب ہوگا، لیکن ایک شرط کے ساتھ، اور وہ یہ کہ اسلام کے ماننے والے اس کے صحیح نمائندہ بن جائیں۔ اگر آپ اس کے لئے کتاب اللہ سے دلیل چاہتے ہیں تو حاضر ہے، ارشادِ الہی ہے: ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹) ”تم نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم سچے مومن ہو“۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ﴿وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ﴾ کہا ہے، ﴿وَأَنْتُمْ الْعَالُونَ﴾ نہیں کہا ہے۔ اور عربی

زبان میں بصیرت رکھنے والے اہل علم جانتے ہیں کہ ﴿اعلیٰ﴾ اسم تفضیل ہے جو اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس صفت کے حامل لوگ واضح طور پر اپنے ہر ماتحت کے اوپر ہوں گے، یہاں تک کہ اگر ماتحت لوگوں میں بعض دوسرے پر اوپر ہوں، تو ہم ان سب کے اوپر ہوں گے، لیکن کب؟ اس کا جواب یہ ہے کہ جب ہم سچے مومن ہو جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آیت کے اخیر میں ﴿إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”اگر تم سچے مومن ہو“۔ جوڑا ہے۔

اگر آپ حقیقت واقعہ سے دلیل چاہتے ہیں، تو سن لیجئے اور جس نے بھی امت اسلامیہ کی پہلی صدی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ بخوبی جانتا ہے کہ امت اسلامیہ اپنے اولین زمانوں میں جب وہ اللہ کے دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے تھی، وہ مشرق و مغرب کی مالک تھی۔ اس نے رومیوں کو شکست دی، ایرانیوں کو روندنا، مصریوں کو تاراج کیا اور ہر اس قوم کو ہزیمت سے دوچار کیا جو اس کے مقابل آئی۔ اور تاریخ کا طالب علم بخوبی جانتا ہے کہ ایران کے بادشاہ کسریٰ کا تاج جو تاریخ عالم کا عظیم ترین تاج تھا، مدائن سے مدینہ طیبہ خلیفہ راشد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لایا گیا۔ ہاں! کسریٰ کا وہ عظیم ترین تاج لا کر اس آدمی کے قدموں کے نیچے ڈال دیا گیا جس کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے تھے۔ یہ کیونکر ممکن ہوا؟ اس لئے کہ وہ اللہ کے دین کو عقیدہ، عمل، قول، دعوت، سیاست اور حکمرانی ہر اعتبار سے مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے تھا۔ اس کا ایمان نہ صرف امید و بیم کا ایمان تھا اور نہ سجاوٹ و دکھاوے کا، بلکہ اس کا ایمان اس کے قلب کی گہرائیوں میں جاگزیں تھا

اور اس کی تصدیق اس کے اعمال کر رہے تھے۔ اس لئے امت اسلامیہ اس وقت مشرق و مغرب کی مالک تھی، جب وہ دین اسلام کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے ہوئے تھی۔ آپ یہ بات تاریخ کی کتابوں میں دیکھ سکتے ہیں۔ ابن اثیر کی الکامل اور ابن کثیر کی البدایة والنہایة اٹھا کر دیکھ لیں۔

میرے پیارے بھائیو! دین اسلام ایسے مسلمانوں کا طالب ہے جو اس پر عقیدہ، قول اور عمل ہر اعتبار سے عمل کریں۔ اور سب سے زیادہ اہم بات جس سے اسلام کو عزت و غلبہ اور سر بلندی حاصل ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ تمام مسلمان دین اسلام پر متحد ہو جائیں اور اللہ کی ہدایت کی پیروی کریں اور اپنے خواہشات کی پیروی نہ کریں، کیونکہ اللہ کی ہدایت ہی اصل ہدایت ہے اور امت اسلامیہ کے امکان سے یہ بات باہر ہے کہ وہ اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر کوئی دوسری ہدایت کی طرف بھٹکتے پھریں۔

اور اللہ کی ہدایت کی صد فی صد ضمانت صرف قرآن کریم اور اس کے رسول محمد ﷺ کی سنت میں مضمر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس امت پر یہ احسان جتایا ہے کہ اس نے ان کو ان کے افتراق و اختلاف کے بعد اتحاد و اتفاق سے ممنون کیا ہے، ارشادِ بانی ہے: ﴿وَإِذْ كُفِّرُوا بِنِعْمَةِ اللَّهِ عَلَيْهِمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا﴾ (آل عمران: ۱۰۳) ”اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے

پہنچ چکے تھے، تو اس نے تمہیں بچالیا،۔ بھائیو! ذرا اس پر غور کرو کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ خاص طور سے وصیت کی کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کریں جب ہم آپس میں دشمن تھے، تو اس نے ہمارے دلوں میں الفت ڈال دی۔

اس بات میں ذرہ برابر شک نہیں ہو سکتا کہ امت جب آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں، تو وہ ٹولیوں اور فرقوں میں بٹ جائے گی اور شکست در شکست کھاتی چلی جائے گی، تفصیل آگے آرہی ہے۔ اور نبی کریم ﷺ نے غزوہ حنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے بعد انصاریوں کو جمع کیا، اس غزوہ میں کافی مال غنیمت حاصل ہوا تھا اور آپ ﷺ نے تالیف قلب کے لئے سارا مال مشرکین میں تقسیم کر دیا تھا اور اس میں سے انصاریوں کو کچھ نہیں دیا تھا۔ اس سبب سے بعض انصاریوں کے دل میں ایک طرح کا رنج ہوا اور بعض نے اس کا اظہار بھی کر دیا کہ اس آدمی (رسول اللہ) نے اپنے ساتھیوں کو پایا، تو ان کو سارا مال غنیمت دے دیا، یا اس جیسی بات کہی۔ نبی کریم ﷺ کی حکمت عملی پر قربان جائیے کہ آپ ﷺ نے ان کو ملامت نہیں کی اور نہ ان پر کسی قسم کی سختی کی۔ آپ ﷺ نے ان سب کو جمع کیا اور حکم دیا کہ اس مجلس میں انصاریوں کے سوا دوسرا کوئی نہ بیٹھے۔ پھر آپ ﷺ نے ان کی نصیحت کی، جس کا اثر یہ ہوا کہ آنسوؤں کی لڑیاں لگ گئیں اور ان کی داڑھیوں پر آنسو ٹپکنے لگے۔ آپ ﷺ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿کیا میں نے تم کو گمراہ نہیں پایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم کو ہدایت سے نوازا؟﴾ ہاں! یہ سب سے بڑی نعمت ہے کہ لوگ گمراہ ہوں اور اللہ تعالیٰ ان کو نبی کریم ﷺ کے ذریعہ ہدایت دے۔ انصاریوں نے

جواب میں کہا: ”ہاں! اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے“۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿کیا میں نے تم کو فلاش نہیں پایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تم کو غنی کر دیا؟﴾، انہوں نے جواب دیا: ”اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے“۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿کیا میں نے تم کو مختلف ٹولیوں میں متفرق نہیں پایا تھا، پھر اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہارے دلوں میں ایک دوسری کی الفت و محبت ڈال دی؟﴾، انہوں نے جواب دیا: ”اللہ و رسول کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے“۔ نبی کریم ﷺ نے ان تینوں نعمتوں کا ان سے اقرار لیا، تو انہوں نے ان کا اقرار کرتے ہوئے جواب دیا: ”ہاں! اللہ و رسول کا ہم پر بہت بڑا احسان ہے“۔

آپ غور کریں کہ نبی کریم ﷺ نے گمراہی کے بعد ہدایت، افلاس کے بعد مالداری کے ساتھ ہی افتراق و اختلاف کے بعد اتحاد و اتفاق کا ذکر کیا۔ معلوم ہوا کہ یہ نعمت یعنی امت اسلامیہ کا اتفاق و اتحاد سب سے بڑی نعمت ہے۔ اور جب یہ سب سے بڑی نعمت ہے، تو یہ اپنے حاملین سے دوامروں کا سخت مطالبہ کرتا ہے:

پہلا امر: فرزند ان اسلام سے اتحاد و اتفاق اور عدم افتراق و اختلاف کی سچی تڑپ و سوز اور ان کا ایک آواز ہونا، جیسے ان کا دین ایک، رسول ایک، قرآن ایک، مقصد ایک اور نصرت دین کی کوشش و سعی ایک۔

دوسرا امر: فرزند ان توحید پر یہ واجب ہے کہ اس اتحاد و اتفاق اور عدم افتراق و اختلاف کو ہر اس بات سے اجتناب کر کے ثابت کریں کہ جس سے آپس میں بغض و عداوت، نزاع و رسہ کشی اور اختلاف رائے پیدا ہوتا ہو، کیونکہ اس میں

کوئی شک نہیں کہ عداوت، نزاع اور اختلاف رائے جیسے امور میں گھر جانے سے امت اسلامیہ کا اتحاد و اتفاق پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔

اور بہت سارے نصوص اجمالی و تفصیلی ہر دو اعتبار سے افتراق و اختلاف کے اسباب و عوامل کے بارے میں وارد ہوئے ہیں اور آپسی تفرقہ بازی و گروہ بندی سے ممانعت پر آئے ہوئے ہیں، ارشادِ بانی ہے: ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ (آل عمران: ۱۰۴ تا ۱۰۵) ”تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونا چاہئے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے، اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔ تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا، انہیں لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔“

”تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ ڈالا“، یہ کہنے والا کون ہے؟ بے شک اس کا کہنے والا اللہ تعالیٰ ہے، اسی نے ہم کو منع کیا ہے کہ مختلف فرقوں اور ٹولیوں میں بٹ جائیں اور اسی نے منع کیا ہے کہ ہم ان لوگوں کی طرح ہو جائیں جو مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئے۔ اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے دین میں افتراق ان کافروں کی مشابہت ہے جو ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور جو مختلف گروہوں اور فرقوں میں بٹ گئے تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ (الشوریٰ: ۱۳) ”اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہی شریعت مقرر کر دی ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جو بذریعہ وحی ہم نے تیری طرف بھیج دی ہے اور جس کا تاکید حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔“ اس جملہ پر غور کریں کہ ”اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا“، جس دین کی طرف آپ انہیں بلا رہے ہیں وہ تو ان مشرکین پر گراں گزرتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ نے پہلے رسول نوح علیہ السلام سے شروع کر کے آخری رسول محمد ﷺ پر ختم کیا۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ، إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ (الانعام: ۱۵۹) ”بے شک جن لوگوں نے اپنے دین کو جدا جدا کر دیا اور گروہ گروہ بن گئے، آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ بس ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے، پھر ان کو ان کا کیا ہوا جتلا دے گا۔“ کتاب اللہ کی مذکورہ آیات کریمہ اللہ کے دین میں تفریق سے ڈراتی ہے، کیونکہ تفریق کے بعد امت اسلامیہ کو کبھی بھی کامیابی و سر بلندی نصیب نہیں ہو سکتی۔

اللہ کے دشمن کفار اور منافقین، توجہ چاہتا ہوں کہ میں منافقین کہہ رہا ہوں، آپ ان کا جو چاہیں نام رکھ لیں، ہر وہ آدمی جو یہ ظاہر کرے کہ وہ اسلام کا دوست ہے اور اسلام اس کے نزدیک عزیز ہے، لیکن اس کا عمل اس کے برخلاف ہے، تو وہ

منافق ہے، گرچہ دور حاضر میں منافقین مختلف ناموں سے جانے جاتے ہیں، مگر مجھے ناموں سے غرض نہیں، صرف معنی سے غرض ہے۔ ہاں! ہر وہ شخص جو یہ ظاہر کرے کہ وہ مسلمان ہے اور اس کا عمل اسلام کے خلاف ہے، تو وہ منافق ہے اور: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرَكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (النساء: ۱۴۵) ”منافقین تو یقیناً جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں جائیں گے“۔ اللہ تعالیٰ ہم کو جہنم سے نجات دے۔ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اسلام کے دشمن کفار اور منافقین جو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور دل میں کفر چھپائے ہوئے ہیں، وہ اس وقت بہت خوش ہوتے ہیں جب وہ امت اسلامیہ میں افتراق و پھوٹ دیکھتے ہیں، خاص طور سے جب یہ افتراق علماء کے مابین دیکھتے ہیں اور پھر خاص طور سے جب یہ افتراق امت کے نوجوانوں میں دیکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بعد اس امت کے مستقبل اور امید ہوتے ہیں۔

میرے بھائیو! ہمارے دشمن یہ پسند کرتے ہیں کہ ہم مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹے رہیں اور وہ اس سے بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں، کیونکہ جب ہم الگ الگ فرقوں میں بٹ جائیں گے، تو صرف یہی بات ہماری ناکامی اور کمزوری کے لئے کافی ہے اور وہ یہی چاہتے ہیں۔

جب ہم میں ایک دوسرے بھائی کو گمراہ کہے، یا کافر کہے، یا اس سے نفرت کرے، تو ہمارے دشمن ہم سے تو یہی چاہتے ہیں، تو پھر ہم کیوں مختلف فرقوں اور گروہوں میں بٹ جائیں اور ایسے مسائل میں اختلاف کریں جو افتراق اور دلوں کے اختلاف کا باعث بنے۔ ہم اس کی ایک مثال بیان کرتے ہیں، مثلاً جب خلیجی

بحران پیدا ہوا اور مشترک فوجی طاقتیں آگئیں، تو لوگوں نے بڑا اختلاف کیا اور آپس میں تنازعہ کا سلسلہ چل پڑا، صرف ہمارے ہی ملک میں نہیں بلکہ دوسرے ملکوں میں بھی۔ لوگوں نے تنازعہ کیا، ہر آدمی اپنے خیال و ذہن کے مطابق اندازہ لگا رہا تھا اور جو سمجھ میں آیا، کہہ رہا تھا۔ مگر ہوا کیا؟ جہاں تک میرا خیال ہے، خیر ہی ہوا، جو اللہ نے مقدر کیا ہوا تھا۔ بحران ٹل گیا اور ہم سعودی عرب میں خاص طور سے ان بہت ساری باتوں سے بچ گئے جن سے ہم ڈر رہے تھے۔ وہ ہلاکت و خونریزی، جس کا ہم خوف کھا رہے تھے، کچھ بھی نہیں ہوا، وہ اقتصادی بحران جس سے ہم ڈر رہے تھے، بحمد اللہ کچھ بھی نہیں ہوا۔ ہم جو سمجھ رہے تھے کہ یہ لڑائی انسانی جانوں کو چلکی کی طرح پیس کر رکھ دے گی، اللہ کے فضل سے یہ سب کچھ بھی نہیں ہوا۔

لیکن یہ بحران جیسا کہ اس وقت کے لوگ جانتے ہیں، اہل خیر کے مابین ایک نفسیاتی بحران کا سبب ضرور بن گیا۔ ان نوجوانوں کے مابین بھی، جن کی خیر خواہی پر ہم شک نہیں کر سکتے، ان کی رائیں مختلف ہو گئیں۔ اور نہایت افسوس کی بات ہے کہ یہ اختلاف رائے اختلاف قلوب کا سبب بن گیا۔ اختلاف رائے انسان کے لئے عیب کی بات نہیں، کیونکہ ایک انسان کسی معاملہ میں ایسی بات جان لیتا ہے جو دوسرا آدمی نہیں جان پاتا۔ نیز اس پر کبھی ایسا امر مخفی رہ جاتا ہے جو دوسرے پر مخفی نہیں ہوتا۔ لیکن تکلیف دہ اور بے چین کن بات یہ ہے کہ اختلاف رائے اختلاف قلوب تک منج ہو جائے اور ہمارا ایک فرد دوسرے کا دشمن بن جائے، اس سے نفرت کرنے لگے، اس کے تعاون سے پزار ہو جائے اور اس کی ہر خوشی سے رنجیدہ ہونے لگے۔

پھر افغانستان کے جہاد کا بحران آیا اور اللہ تعالیٰ نے جو مقدر کر رکھا تھا وہ دردناک حادثات پیش آئے جس کی حقیقت تک رسائی ممکن نہیں ہے، کیونکہ متضاد قسم کی خبریں آرہی ہیں، ہر شخص جو چاہتا ہے ایک نئی خبر اڑا دیتا ہے۔ ہاں! یہ بحران آیا اور اس نے بھی لوگوں کو ٹکڑیوں میں بانٹ کر الگ الگ کر دیا۔ یہاں تک کہ اس بحران سے بعض لوگوں سے ایسے امور پیش آئے جس کے ذمہ دار وہ خود تھے، کیونکہ انہوں نے دوسروں کے دین و عقیدہ پر حملہ شروع کر دیا۔ اور بے شک یہ انسان کے دین کے لئے نہایت خطرناک ہے کہ وہ ایسے آدمی پر کفر کا فتویٰ لگائے جو اس سے بری ہے، اور یہ معلوم ہے کہ جو کسی پر کفر کا فتویٰ لگائے اور وہ حقیقت میں اس سے بری ہے، تو کفر خود اس پر لوٹ جائے گا۔ اعاذنا اللہ منہا۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ اس کا خاتمہ بھی برا ہو اور وہ کافر ہو کر مر جائے۔ یاد رکھیں! کفر کا فتویٰ لگانا معمولی بات نہیں ہے، بہت ہی بڑی بات ہے۔ نیز کفر کا حکم لگانا ہمارے اختیار میں نہیں ہے، اس کا سارا اختیار صرف اور صرف اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کو ہے۔ اس لئے ہمارے لئے یہ حلال نہیں کہ ہم کسی پر کفر کا حکم لگائیں، الا یہ کہ ہمارے پاس کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے کوئی ٹھوس سند ہو۔

لیکن افسوس کہ یہ بحران ہمارے کچھ اخوان کے مابین گرم گرم بحث کا موضوع بن گیا، جن کی خیر خواہی، دینداری اور تقویٰ پر ہم شک نہیں کر سکتے۔ البتہ یہ ضرور کہتے ہیں کہ ہر آدمی کی بات قبول بھی کی جاتی ہے اور رد بھی کی جاتی ہے۔ اور کبھی انسان اپنے علم و تحقیق کی بنیاد پر کسی بات کو اس کی حقیقت کے خلاف تصور کر لیتا

ہے۔ ہاں! اگر وہ تھوڑا تھل کا مظاہرہ کرتے، صبر کرتے اور جلد بازی سے کام نہ لیتے، تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا۔ مجھے ان اخوان نے بتایا جو افغانستان کا سفر کر چکے ہیں کہ ہمارے یہاں سعودی عرب میں لفظی لڑائی خود وہاں افغانستان کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے اور یہ نہایت افسوسناک بات ہے۔

اس قسم کے معاملات میں ہمارا یہ موقف ہونا نہایت ضروری ہے کہ ہم اپنے ملک میں دنیا کی مشکلات کو منتقل نہ کریں، الا یہ کہ ایسے طریقہ پر کہ جس سے بلاشور و غوغا، نہایت امن و سکون اور اخلاص و صدق نیت کے ساتھ اس کا حل نکل آئے۔ لیکن اگر ایک شخص دوسرے کو گمراہ بتائے، یا کافر کہے، یا منبر و محراب پر خطیب حضرات اپنے اختلافات کا اظہار کریں، تو اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ نہایت غلط ہے اور صحیح طریقہ ہرگز نہیں ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم معاملہ کی تحقیق کریں اور اس کو ان ذمہ داران پر چھوڑ دیں جو اس معاملہ میں تحقیق و تفتیش کرتے ہیں، یہاں تک کہ جب ہم اس بارے میں کلام کریں تو پوری ذمہ داری اور اپنی زبانوں کو بچا کر نہایت وقار کے ساتھ کلام کریں۔ اب افغانیوں کے اس معاملہ کو ہم اپنے افتراق و اختلاف کا اکھاڑہ بنا لیں اور وہ بھی بلا دلیل و سند، تو یہ بالکل نامعقول، غیر مقبول اور ناپسندیدہ بات ہے۔ اور یہ بات یاد رکھیں کہ بڑی غلطیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان صرف ایک فریق کی بات مان لے۔ ہاں! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ یہ بھی ایک بہت بڑی غلطی ہے کہ انسان صرف ایک فریق کی بات مان لے، کیونکہ جب آپ صرف ایک فریق کی بات لیں گے، تو یقیناً دوسرے فریق پر ظلم کریں گے اور

آپ کا فیصلہ انصاف پر مبنی نہیں ہوگا۔ آپ ذرا اس واقعہ پر غور کریں جو اللہ تعالیٰ کے ایک نبی کے ساتھ پیش آیا، انہوں نے ایک فریق کی بات لی، یہ اللہ کی طرف سے ان کا زبردست امتحان تھا، آپ جانتے ہیں وہ واقعہ کیا ہے؟

یہ داؤد علیہ السلام کا واقعہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں فرمایا: ﴿وَهَلْ أُنَاكَ نَبِيُّ الْخَصْمِ إِذْ تَسَوَّرُوا الْمِحْرَابَ إِذْ دَخَلُوا عَلَىٰ دَاوُدَ فَفَزِعَ مِنْهُمْ، قَالُوا لَا تَخَفْ خَصْمَانِ بَغِي بَغضًا عَلَيَّ بَغْضِ فَاحْكُم بَيْنَنَا بِالْحَقِّ وَلَا تَشْطِطْ وَاهْدِنَا إِلَىٰ سَوَاءِ الصِّرَاطِ، إِنَّ هَذَا أَخِي لَهُ تِسْعٌ وَتِسْعُونَ نَعْجَةً وَلِيَ نَعْجَةٌ وَاحِدَةٌ فَقَالَ أَكْفِلْنِيهَا وَعَزَّنِي فِي الْخِطَابِ، قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعَجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ﴾ (ص: ۲۲ تا ۲۴) ”اور کیا تجھے جھگڑا کرنے والوں کی بھی خبر ہوئی؟ جبکہ وہ دیوار پھاند کر عبادت کی جگہ آگئے، جب یہ داؤد کے پاس پہنچے، پس یہ ان سے ڈر گئے، انہوں نے کہا: خوف نہ کیجئے، ہمارا آپس ہی میں جھگڑا ہے، ہم میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے، پس آپ ہمارے درمیان حق فیصلہ کر دیجئے اور نا انصافی نہ کیجئے اور ہمیں سیدھی راہ بتا دیجئے، سنئے یہ میرا بھائی ہے، اس کے پاس ننانوے دنبیاں ہیں اور میرے پاس ایک ہی ہے، لیکن یہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اپنی یہ ایک دنبی بھی مجھ ہی کو دیدے اور مجھ پر بات میں تیزی و سختی برتا ہے، آپ نے فرمایا: ”اس کا اپنی دنبیوں کے ساتھ تیری ایک دنبی ملا لینے کا سوال بے شک ایک ظلم ہے۔“

واقعہ اس طرح سے ہے کہ داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بہت کثرت سے عبادت

کرتے تھے، وہ اپنے محراب یعنی عبادت کی جگہ میں داخل ہو گئے اور دروازہ بند کر لیا، اور وہ لوگوں کے حاکم بھی تھے اور ایک حاکم کے لئے مناسب نہیں کہ لوگوں پر دروازہ بند کر لے۔ دو آپس میں جھگڑنے والے آئے، دروازہ بند پایا اور دونوں کا معاملہ بہت جلدی کا تھا، تو دونوں فریق نے کیا کیا؟ انہوں نے یہ کیا کہ دروازہ کے بجائے فصیل سے محراب کے اندر داخل ہو گئے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاقْتُلُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا﴾ (البقرہ: ۱۸۹) ”تم دروازہ سے گھروں میں آیا کرو“۔ جب دونوں فریق داؤد علیہ السلام پر داخل ہو گئے تو آپ ڈر گئے اور ڈرنے کی وجہ ظاہر ہے، کیونکہ آدمی دروازہ بند کیا ہوا ہے، پھر جب اس پر آدمی اچانک داخل ہو جائے، تو خوف کھانا یقینی ہے۔ تب انہوں نے خوف دور کیا اور اپنا مدعا بیان کیا۔ اس میں غور کرنے کی بات یہ ہے کہ داؤد علیہ السلام نے دوسرے فریق کی بات سننے سے قبل ہی فیصلہ سنا دیا، جبکہ فیصلہ کا دستور یہ ہے کہ قاضی دونوں فریق کی بات سنے۔ اور یہی سبب ہے کہ داؤد علیہ السلام نے اسے اللہ تعالیٰ کا امتحان سمجھا، ارشاد ربانی ہے: ﴿وَظَنَّ دَاوُدُ أَنَّمَا فَتْنَاهُ فَاستَغْفَرَ رَبَّهُ وَخَرَّ رَاكِعًا وَأَنَابَ﴾ (ص: ۲۴) ”اور داؤد سمجھ گئے کہ ہم نے انہیں آزمایا ہے، پھر تو اپنے رب سے استغفار کرنے لگے اور عاجزی کرتے ہوئے گر پڑے اور پوری طرح رجوع ہو گئے“۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس واقعہ سے متعلق جو اسرائیلی روایات بیان کئے جاتے ہیں وہ سب جھوٹ ہیں، ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کو ایک سپاہی کی بیوی پسند آگئی اور انہوں نے اس سے شادی کرنے کا ارادہ کر لیا۔ اس

کے لئے انہوں نے اس کے شوہر کو حکم دیا کہ وہ جنگ میں جائے، تاکہ وہ شہید ہو جائے اور اس کی بیوی سے داؤد علیہ السلام شادی کر سکیں۔ نعوذ باللہ۔ یہ واقعہ ایک نبی کی ذات کو داغدار کرتا ہے، ایسی حرکت تو ایک ادنیٰ آدمی بھی نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ ایک بلند پایہ نبی کرے۔ یاد رکھیں یہ سب یہودیوں کی دسیسہ کاری ہے جو اس سے بڑھ کر انبیاء کرام کے ناحق قتل کے مجرم رہ چکے ہیں۔

یہ واقعہ ذکر کرنے کا مقصد اس عظیم اور اہم مسئلہ پر تنبیہ کرنا ہے کہ ہمیں یہ زیب نہیں دیتا کہ افغان مسئلہ پر جو اخبار شائع ہوتے ہیں، ان میں صرف ایک جانب کو لیں، بلکہ واجب یہ ہے کہ دونوں جانب کو لیں اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں یہ حق بھی نہیں پہنچتا کہ ان باتوں کو مجلسوں اور مسجدوں میں بیان کرتے پھریں اور ایک کی تائید اور دوسرے کی مخالفت کرتے رہیں۔ بلکہ یہ ضروری ہے کہ انسان خیر ہی کہے اور اگر اس کے پاس خیر کی بات کہنے کے لئے نہیں ہے، تو اسے خاموش رہنا چاہئے، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ﴿مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا أَوْ لِيَضْمُتْ﴾ (متفق علیہ) ”جو اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ یا تو خیر کی بات کرے، یا سکوت اختیار کرے“۔ ہمارے ملک میں درپیش یہ دو مثالیں ہیں جن پر لمبی چوڑی گرما گرم بحث ہو چکی ہے۔

یہاں ایک تیسری مشکل بھی درپیش ہے جو حال ہی میں ہمارے داعی اخوان کے مابین ظاہر ہوئی ہے، سب کی نیت کو ہم نیک ہی سمجھتے ہیں اور بجز اللہ عوام میں ان کی کافی پزیرائی بھی ہے۔ وہ مشکل یہ ہے کہ وہ ایک دوسرے پر کلام کرنے لگے ہیں، وہ یہ دعویٰ

کرتے ہیں کہ اس کا بھائی فلاں معاملہ میں جہالت و بے خبری کا شکار ہے، اس کا اندازہ درست نہیں، وہ حقیقت سے کوسوں دور ہے اور اسے حقیقت کا کچھ علم نہیں۔ ہاں! بعض لوگ اس طرح کے معاملات میں لب کشائی کرنے لگے ہیں اور جن کے بارے میں لب کشائی کرتے ہیں، ان کے اوصاف کی تحدید بھی کر دیتے ہیں اور کبھی ان کا نام بھی لے ڈالتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں فریق داعی ہیں، نہ صرف وہ جس کے بارے میں لب کشائی کی جا رہی ہے، بلکہ وہ بھی جو زبان چلا رہے ہیں اور دونوں فریق کی بات نوجوان طبقہ میں سنی جاتی ہے، اس کے باوجود ایک دوسرے پر طعن کر رہے ہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بعض علماء و دعاة کا بعض کے بارے میں طعن کرنے کا بہت بڑا نقصان ہے، کیونکہ یقیناً اس سے داعی کا وقار خواہ وہ کسی بھی درجہ کا ہو، گر جاتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انسانی نفوس کبھی بلا سوچے سمجھے بعض باتیں قبول کر لیتے ہیں۔ چنانچہ جب ایک داعی دوسرے پر طعن کرتا ہے، تو یقیناً اس سے دونوں کی قدر و منزلت گھٹ جاتی ہے۔ اس کی بھی جس نے دوسرے پر ظلم ڈھایا اور اس کی بھی جس پر ظلم کا پہاڑ توڑا گیا، اور ان باتوں کے اثرات بھی ضرور مرتب ہوتے ہیں۔ پھر جب عوام اس کی اور اس کی باتوں پر اعتماد کرنا چھوڑ دیں گے، تو دعوت کے کاموں میں بھی اعتماد کرنا ترک کر دیں گے، جس سے دعوت کا عظیم خسارہ ہوگا۔ اور جب وہ مطعون شخص ایک عالم ہو اور پبلک اس کی بات مانتے ہوں تو یہ طعن اس کی قدر و منزلت کو گھٹا دیتا ہے اور جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے علم کی قدر بھی گھٹ جاتی ہے اور اس سے شریعت کی بات ماننے میں بھی ملحوظ حد تک کمی

آ جاتی ہے، کیونکہ یہ معلوم ہے کہ ہمارے اور اللہ کی شریعت کے مابین واسطہ یہی وارثین انبیاء علماء ہی ہیں۔ اب اس طعن سے خود شریعت کی اتنی قدر گھٹ جاتی ہے جس کے وہ حامل اور داعی ہیں، جتنا کہ خود ان کا وقار گر گیا ہے۔

اور ظاہر ہے یہ مجرمانہ حد تک خطرناک ہے، اگر طعن کرنے والا اس مسئلہ کی سنگینی کو جانے کہ اس کے سبب کیا کیا برے نتائج سامنے آتے ہیں، تو وہ ہرگز طعن نہ کرتے جس میں وہ گفتار کا غازی بنا ہوا ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ وہ یہ سمجھ رہا ہو کہ اس نے فقط ایک شخص کے ساتھ براسلوک کیا ہے، مگر وہ نہیں جانتا کہ اس نے شریعت کے ساتھ براسلوک کیا ہے، بلکہ یوں کہتے کہ اس نے شریعت کی عمارت ہی ڈھا دی ہے۔

اس لئے اے نوجوانو اور داعی بھائیو! آپ ایک دوسرے پر طعن کرنے سے اجتناب کریں اور اس ناروا حرکت سے گریز کریں۔ ہاں! کب تک طعن و تنقید کا نشانہ بناتے رہیں؟ جب بھی فتنہ کی آگ بجھی ہے، کچھ لوگ دوبارہ اسے جلانے کے فراق میں نکل کھڑے ہوئے۔ والعیاذ باللہ۔ یا اچھی نیت سے، مگر بے وقوفی اور نا سمجھی کے سبب، یا بری نیت سے۔ اور آپ ہرگز یہ نہ سمجھیں کہ جو شخص بھی آپ کے پاس آئے اور فلاں فلاں لوگوں پر طعن و تنقید کرے، تو اس کی نیت اچھی ہی ہوگی؟ کبھی نہیں۔ آپ نہیں جانتے، شاید وہ آپ کے دشمنوں کے گروہ سے تعلق رکھتا ہو اور آپ لوگوں کے درمیان فتنہ کی آگ بھڑکانا چاہتا ہو، تاکہ آپ لوگ آپس میں اللہ کے کلمہ پر متحد نہ ہو سکیں۔

اور ایک افسوسناک بات یہ بھی ہے کہ بعض نوجوان جن کے پاس تھوڑا بہت علم

ہے، ایسے موقع کو غنیمت سمجھتے ہیں کہ یہ بات اس سے کمتر و ماتحت لوگوں پر مخفی ہے، اور جب ان کے پاس کچھ کچے ذہن کے نوجوان جمع ہو جاتے ہیں۔ مسجد میں یا گھر میں۔ تو وہ ان نوجوانوں کو منتشر کر دیتے ہیں، اس عظیم طاقت کو منتشر کر دیتے ہیں کہ جس کا ایک تابناک اور روشن مستقبل ہے۔ انشاء اللہ۔ اسی طرح آپ بعض لوگوں کو پائیں گے کہ وہ اس قسم کے کچے اور چھوٹے نوجوانوں کی ناپختہ عقولوں کے ساتھ کھیلتے ہیں، وہ ایک دو حدیثوں پر کلام کر دیتے ہیں، یا ایک دو آیتوں کی تفسیر کر دیتے ہیں، تو یہ ناپختہ کار چھوٹے نوجوان سمجھ بیٹھتے ہیں کہ وہ بہت بڑے عالم ہیں، نہایت گہرے علم والے ہیں، حالانکہ ان کی حقیقت: ﴿كَسْرَابٍ بِقِيَعَةٍ يَحْسَبُهُ الظَّمَانُ مَاءً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا﴾ (النور: ۳۹) ”سراب کی طرح ہے جو چٹیل میدان میں ہو جسے پیاسا آدمی دور سے پانی سمجھتا ہے، لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں پاتا“۔ اس لئے اگر آپ حقیقت میں اللہ کے دین کی مدد و نصرت کرنا چاہتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ اللہ آپ کو زمین میں اقتدار سے نوازے، تو اس اختلاف و افتراق، گروہ بندی اور فرقہ بندی سے بچئے، اجتناب کیجئے، دور رہئے اور یاد رکھئے کہ آپ کے آپس کا یہ اختلاف آپ کے دشمنوں کے مہلک ہتھیاروں سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

اگر کوئی کہے کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کریں جو عقیدہ و عمل میں ہماری مخالفت کرتے ہیں، ہاں! ہماری مخالفت کرتے ہیں..... کام میں..... عبادت میں، تو ہم کیا کریں؟ کیا ہم ان کے ساتھ کلام کریں، یا خاموشی اختیار کر لیں اور ہر

شخص کو اس کے حال پر چھوڑ دیں، یا کیا حکمت عملی اپنائیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے ان کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی دعوت دی جائے اور ان سے کہا جائے کہ اگر تم حق کی تلاش میں سچے ہو تو آؤ، یہ اللہ کی کتاب ہے اور یہ نبی کریم ﷺ کی سنت ہے۔ اور جہانک میرا خیال ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ اگر نیت درست ہوگی، ارادہ خالص ہوگا، طریقہ اچھا ہوگا، تو وہ متفق ہو جائیں گے اور ناممکن ہے کہ پھر کوئی اختلاف ہو۔ لیکن جب یہ ممکن نہ ہو، یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر اتفاق نہ ہو سکے، تو ہم اس اختلاف پر غور کریں گے کہ آیا یہ اختلاف اس قسم کا ہے کہ جس میں انسان معذور سمجھا جاتا ہے، تو اس صورت میں اس اختلاف کو اختلافِ قلوب کا سبب بنانا ہرگز جائز نہ ہوگا اور اس اختلاف کو انگیز کر لیا جائے گا اور اس سے درگزر نا بہتر ہوگا، کیونکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جو اللہ کے دین کے نہایت ہی حریص تھے، اس طرح کے اختلاف کو اختلافِ قلوب کا موجب نہیں بناتے تھے۔

بطور مثال یہاں صحابہ کرام کا ایک واقعہ بیان کرتا ہوں کہ جب نبی کریم ﷺ غزوہٴ احزاب (خندق) سے فارغ ہوئے، تو جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس آئے اور آپ کو حکم دیا کہ آپ بنو قریظہ کے مقابلہ کے لئے نکلیں، کیونکہ انہوں نے اس معاہدہ کو توڑ دیا تھا جو ان کے اور نبی کریم ﷺ کے مابین طے پایا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے مدینہ آنے کے بعد یہاں کے یہودی قبائل سے معاہدہ کیا تھا۔ یہ تین قبیلے تھے، بنو قریظہ، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ سب نے ایک ایک کر کے معاہدہ توڑ دیا اور

سب سے آخر میں بنو قریظہ نے توڑا، تو نبی کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

﴿لَا يَصَلِّيَنَّ أَحَدٌ مِنْكُمْ الْعَصْرَ إِلَّا فِي بَنِي قَرَيْظَةَ﴾ (بخاری: ۷/۴۰۷، مسلم: ۱۲/۹۷) ”تم میں کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ قبیلہ میں“۔ نبی کریم ﷺ کے اس فرمان کا کیا مفہوم ہے؟ ایک مفہوم یہ ہے کہ ”کوئی آدمی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ قبیلہ میں پہنچ کر، گرچہ سورج ڈوب جائے“۔ اور دوسرا مفہوم یہ ہے کہ بنو قریظہ کی طرف نکلنے میں جلدی کرو اور تیزی دکھاؤ“۔ اور یہی معنی درست ہے۔ الغرض صحابہ کرام نے اس بارے میں اختلاف کیا۔ بعض صحابہ نے راستہ ہی میں عصر کی نماز ادا کر لی۔ اور بعض نے نماز کو مؤخر کر دیا یہاں تک کہ بنو قریظہ پہنچ گئے اور پھر وہاں مغرب کے بعد عصر کی نماز پڑھی۔ جب اس اختلاف کی خبر نبی کریم ﷺ کو دی گئی، تو آپ ﷺ نے اس فریق کو کچھ کہا اور نہ اُس فریق کو ڈانٹ ڈپٹ کی، کیوں؟ اس لئے کہ وہ مجتہد تھے اور آپ کے فرمان میں دونوں باتوں کا احتمال تھا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کیا انہوں نے اس اختلاف کو بنیاد بنا کر آپس میں ایک دوسرے سے عداوت و نفرت کی؟ جواب یہ ہے کہ نہیں! حالانکہ مسئلہ بڑا سنگین ہے، وہ مسئلہ کیا ہے؟ وہ یہ کہ ان لوگوں نے نماز عصر کو مؤخر کیا جسے قرآن میں ”صلوٰۃ وسطیٰ“ کہا گیا ہے جو نمازوں میں نہایت عظیم نماز ہے۔ اس عظیم نماز کو مؤخر کر دیا، یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ انہوں نے قصداً نماز کو وقت سے مؤخر کیا۔ لیکن یہ معلوم ہے کہ یہ تاخیر اجتہاد کے سبب تھی جس میں ان کو معذور سمجھا گیا۔

لیکن نہایت افسوس کی بات یہ ہے کہ آج ہم بعض لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اس

سے بھی چھوٹے مسئلہ میں، بلکہ نہایت ہی چھوٹے مسئلہ میں اختلاف کو عداوت و دشمنی کا سبب بنا لیتے ہیں، یہاں ہم صرف دو مثالیں بیان کرتے ہیں:

پہلی مثال: ایک امام کے پیچھے دو مقتدی نماز پڑھتے ہیں، ایک نے سجدہ کرتے وقت اپنے گھٹنوں کو ہاتھ سے پہلے رکھا اور دوسرے نے اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں سے پہلے رکھا۔ اختلاف ہوا کہ نہیں؟ جواب یہ ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے سے عمل میں اختلاف کیا۔ لیکن بعض لوگ اس عملی اختلاف کو قلبی اختلاف کا سبب بنا لیتے ہیں۔ اور آپ دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے اس بھائی کو کراہت کی نگاہ سے دیکھتا ہے، جس نے اس کے ساتھ ایک امام کے پیچھے نماز ادا کی۔ یہ بالکل ناجائز، قطعاً حرام اور اللہ کے دین میں تفرقہ بازی ہے۔

اگر دونوں میں سے ہر ایک حسن نیت کے ساتھ معروف ہے اور اس نے جو کچھ بھی عمل کیا وہ اس کی اجتہادی غلطی ہے، تو ہمارے لئے قطعاً جائز نہیں کہ ہم دوسرے کو گمراہ کہیں، بلکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ اگر اس نے دلیل کے تقاضوں کے مطابق میری مخالفت کی ہے، تو اس نے میری موافقت کی ہے۔ وہ کیسے؟ جواب یہ ہے کہ جب دلیل کی روشنی میں میری مخالفت کر رہا ہے، تو وہ میری تائید کر رہا ہے، کیونکہ میں بھی تو اس کی مخالفت دلیل کی روشنی میں کر رہا ہوں۔ پھر ہم دونوں نے اختلاف کہاں کیا؟ ہر ایک نے دلیل کی روشنی میں عمل کیا، پھر اختلاف کہاں پا گیا؟ یہاں تو سرے سے اختلاف ہی نہیں۔

دوسری مثال: دو آدمی ایک دعوت ولیمہ میں مدعو تھے، اور دعوت میں اونٹ کا

گوشت تھا، دونوں نے یہ گوشت کھایا اور دونوں نماز کے لئے اٹھے۔ مگر ایک نے وضو کیا اور دوسرے نے نہیں کیا۔ یہ بڑا مسئلہ ہے۔ جس نے وضو کیا، اس کے خیال میں اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور جس نے وضو نہیں کیا، اس کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

اس مسئلہ کا اختلاف بہت بڑا ہے، کیونکہ جس کی رائے میں اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اگر وہ بلا وضو کئے نماز ادا کرے تو اس کی نماز باطل ہوگی۔ یقیناً یہ مسئلہ بڑا سنگین ہے، کیونکہ اگر وہ بلا وضو کئے نماز پڑھے تو گویا اس نے نماز پڑھی ہی نہیں۔ اب بعض لوگ اس اختلاف کو اختلاف قلوب کا سبب بنا لیتے ہیں، جبکہ واجب تو یہ تھا کہ یہ اختلاف، اختلاف قلوب کا سبب نہ بنتا، کیونکہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

میں اس امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہوں جس نے اونٹ کا گوشت کھانے کے بعد وضو کئے بغیر نماز پڑھائی، کیوں؟ جواب یہ ہے کہ میرا عقیدہ ہے کہ یہ نماز اس کے حق میں صحیح اور درست ہے۔ اور اگر میں بلا وضو کئے نماز پڑھتا، اور میرا عقیدہ ہوتا کہ اونٹ کا گوشت کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، تو میری نماز باطل ہو جاتی۔ پھر یہ بالکل جائز نہیں ہو سکتا کہ میں اس آدمی سے بغض و کینہ رکھوں، یا اس سے عداوت رکھوں، یا اس سے نفرت کروں؟ کیونکہ یہ سب اجتہادی مسائل ہیں جن میں اجتہاد و اختلاف رائے کی گنجائش نکلتی ہے۔ مجتہد اگر صحیح اجتہاد کر لیتا ہے تو اس کو دوہرا اجر ملتا ہے، اور اگر غلطی کر جاتا ہے تو وہ ایک اجر کا ضرور حقدار ہوتا ہے۔ (مسلم)۔

اس قسم کے بہت سارے مسائل ہیں۔ ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی اور کہا: تجھے طلاق، تجھے طلاق، تجھے طلاق، اکثر علماء کے نزدیک اس کے اس طرح طلاق دینے سے اس کی بیوی بالکل حرام ہو جاتی ہے اور اس کے لئے وہ قطعاً حلال نہیں رہتی، یہاں تک کہ دوسرا آدمی اس سے نکاح کر لے۔ اب اگر اس کا پہلا شوہر جس نے طلاق دی ہے اس عورت سے دوبارہ نکاح کرے تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ اور بعض علماء کی رائے کے مطابق یہ طلاق صرف ایک طلاق شمار ہوگی اور اس کے شوہر کو یہ اختیار ہوگا کہ عدت کے اندر بلا نکاح اس سے رجوع کر لے، یا عدت گزر جانے کی صورت میں نئے نکاح سے رجوع کر لے۔ اس صورت میں پہلے مسلک کے علماء کے مطابق اس عورت سے مجامعت زنا میں شمار ہوگا، کیوں؟ اس لئے کہ اس نے ایسی عورت سے مجامعت کی ہے جو اس پر حرام تھی۔ لیکن دوسرے مسلک کے علماء کے مطابق جو ایک مجلس کی تین طلاق کو ایک طلاق مانتے ہیں، وہ عورت اس کے لئے بالکل جائز و حلال ہے اور اس پر کچھ بھی گناہ نہیں۔

آپ غور کریں کہ یہ اختلاف گھٹنہ سے پہلے ہاتھ رکھنے، یا ہاتھ سے پہلے گھٹنہ رکھنے والے اختلاف کے مقابلہ میں کہیں زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ جب اس اختلاف کی گنجائش ہے، تو ہمارے لئے یہ جائز نہیں کہ ہم اس اختلاف مسلک کو اختلاف قلوب کا سبب بنا لیں۔

اس طرح کے بہت سارے مسائل ہیں، جن کا حصر یہاں ممکن نہیں، لیکن میں آپ لوگوں سے ایک سوال کرتا ہوں کہ اس وقت کوئی ایسا مسئلہ ہے جس میں

اختلاف ہو، یا جس میں اختلاف ہے اور ایک دوسرے کو گمراہ کہا جا رہا ہے۔ یہاں پر شیخ موصوف نے اپنی عادت کے مطابق حاضرین سے سوال کرنا شروع کیا اور ان سے مطالبہ کیا کہ وہ کوئی ایسا مسئلہ ذکر کریں جس میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے اور اس کے سبب ایک دوسرے کو گمراہ کہا ہے۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا کہ اسلامی جماعتوں کی کثرت نے، مثلاً تبلیغی جماعت، اخوان المسلمون، جہادی جماعت، سلفی جماعت اور سروری جماعت، تو شیخ موصوف نے فرمایا: ان جماعتوں کے لوگوں سے اگر ہم یہ سوال کریں کہ آپ کے اعتقاد کے مطابق آپ حق پر ہیں، یا باطل پر؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ ہم حق پر ہیں۔ پھر دوسرا سوال کریں کہ آپ حق کو چاہتے ہیں، یا باطل کو؟ تو وہ جواب دیں گے کہ ہم حق کو چاہتے ہیں۔ پھر تیسرا سوال کریں کہ آپ لوگ معصوم ہیں، یا غیر معصوم؟ اگر وہ جواب میں یہ کہیں کہ وہ معصوم ہیں، تو وہ یقیناً اپنے جواب میں غیر معصوم ہیں۔ اور اگر کہیں کہ ہم غیر معصوم ہیں، تو ہم کہیں گے بحمد اللہ ہم یہی چاہتے ہیں۔

ہم ہر جماعت کے لوگوں سے مذکورہ تینوں سوال کریں، اگر جواب بھی مذکورہ جواب ہوں، تو ہم کہیں گے کہ اب آپ لوگ متحد ہیں، اب آپ لوگ متفق ہیں۔ اس لئے آپ سب لوگوں پر ضروری ہے کہ اس طریقہ پر رجوع کریں جس پر ہمارے سلف صالحین کا مزن تھے۔ پھر ہم ان پر سلف صالحین کے طریقہ کار کو پیش کریں گے۔ اگر ان کا اختلاف سلف کے طریقہ کے موافق ہے، تو وہ درست ہے۔ اور اگر سلف صالحین کے طریقہ کے مخالف ہے، تو وہ یقیناً غلط اور باطل ہے، خواہ وہ

فیصلہ تبلیغی جماعت کے حق میں ہو، یا سلفی جماعت کے حق میں، جہادی گروپ کے حق میں ہو، یا جماعت اسلامی کے حق میں۔ (اخوان المسلمون کے حق میں)۔

اور اس وقت ضروری ہوگا کہ ہر وہ شخص جس کی غلطی واضح ہوگئی ہے کہ وہ صحیح بات کی طرف پلٹ آئے، ارشادِ ربانی ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء: ۶۵) ”سو قسم ہے آپ کے رب کی! یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ تمام آپس کے اختلاف میں آپ کو حاکم نہ مان لیں، پھر جو فیصلے آپ ان میں کر دیں، ان سے اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی و ناخوشی نہ پائیں اور فرماں برداری کے ساتھ قبول کر لیں“۔ اب ہرگز یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ہر جماعت اپنی سابقہ حالت پر برقرار رہ جائے گرچہ وہ دوسری جماعت کے مقابلہ میں غلطی سے مامون ہو۔ میری دعوت یہ ہے کہ ساری جماعتوں کو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف بلا یا جائے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ بجز اللہ اب مسئلہ واضح ہو گیا ہے، اب خاموش رہنا بھی غلط ہے۔ ایک دوسرے کو گمراہ کہنا بھی غلط ہے اور دوسرے پر حکم لگانے میں جلد بازی بھی غلط ہے۔ اور سب سے خطرناک بات وہ ہے جو جہادی گروپ والوں کے بارے میں سنتا ہوں، اور جو کچھ میں نے سنا ہے اگر وہ درست ہے، اور وہ یہ کہ ان کے یہاں دھڑلے سے کسی کو کافر کہہ دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ وہ اس کو بھی کافر کہہ دیتے ہیں جو کافر نہیں ہے اور اس کو بھی جس پر کفر کا اطلاق قطعاً درست نہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ کفر کا حکم لگانے کا سارا اختیار صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد ﷺ کو حاصل ہے، اسی طرح کسی چیز کے حلال یا حرام کے حکم لگانے کا اختیار بھی صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے۔ جس طرح کوئی بلا شرعی دلیل کے یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ چیز حرام ہے، اسی طرح کوئی بھی بلا شرعی دلیل کے یہ کہنے کا مجاز نہیں کہ یہ کام کفر ہے اور وہ کام کفر نہیں ہے۔

مزید براں پھر یہ بات بھی نہیں کہ جو بھی کلمہ کفر کہے، اس پر کفر کا حکم لگا دیا جائے، کیونکہ انسان کبھی کلمہ کفر کہتا ہے مگر اسے کافر قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ کوئی ایسا شرعی مانع موجود ہے جو اس پر کفر کا حکم لگانے سے روک رہا ہے۔ اور اس طرح کے موانع بہت ہیں اور ان میں سے ایک مانع، بلکہ یوں کہتے کہ سب سے بڑا مانع اس کی جہالت ہے اور کبھی انسان جہالت کی بنیاد پر کفر کر بیٹھتا ہے، یا کفر یہ بات کہہ ڈالتا ہے۔ تو کیا اب ہم اسے کافر قرار دیں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نہیں! جب تک ہم سمجھا بچھا کر اس پر حجت قائم نہیں کر دیں گے۔ پھر جب سمجھانے کے بعد وہ اصرار کرتا جائے تو اس پر اس کے عمل کے تقاضوں کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔

اکثر ایسے لوگوں کو دیکھا جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ فلاں مسئلہ میں سود جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تجارتی و استثماری سود جائز ہے، یعنی بقول ان کے جس سے استثمار اور اقتصادی ترقی مقصود ہو، وہ سود جائز ہے اور حرام سود صرف وہ صورت ہے جو ظلم و استحصا کو شامل ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں: ﴿وَإِنْ تَبْتُمْ فَلَكُمْ رُؤُسُ أَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظْلَمُونَ﴾

(البقرہ: ۲۷۹) ”اگر تم توبہ کر لو، تو تمہارا اصل مال تمہارا ہی حق ہے، نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے“۔ اب کوئی عالم کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ تجارتی و استثماری سود میں کوئی حرج نہیں ہے، اور وہ جائز ہے، تو بعض لوگ بلا سوچے سمجھے جلد بازی میں یہ حکم لگا دیتے ہیں کہ یہ شخص کافر ہو گیا ہے۔ کیوں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے سود کو حلال کہا ہے اور اللہ تعالیٰ نے قرآن میں صراحت کے ساتھ ﴿وَحَرَّمَ

الرِّبَا﴾ (البقرہ: ۲۷۵) ”سود کو حرام قرار دیا ہے“۔ اور جو سود کو حلال کہے، تو اس کا یہ قول اس امر کا متقاضی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو جھٹلا رہا ہے اور اللہ کو جھٹلانا کفر ہے۔

ہم ایسے آدمی سے کہیں گے کہ تم جلدی مت کرو، ممکن ہے اس شخص نے یہ بات اپنی اجتہادی غلطی کی بنیاد پر کہی ہے، جس میں اس سے چوک ہو گئی ہے۔ اس لئے پہلے اس شخص پر حجت قائم کرو، اس سے کہو، جو یہ کہتا ہے کہ سود تو صرف اس صورت میں حرام ہے جب وہ ظلم و استحصال کو شامل ہو، کہ: آپ اس حدیث پاک کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو صحیحین میں آئی ہے اور رسول اللہ ﷺ نے اس میں فرمایا ہے: ﴿الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالْتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلِ سِوَاءٍ بِسِوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ﴾ (بخاری: ۳۱۱/۴، مسلم: ۸/۱۲) ”سونے کا مبادلہ سونے سے، چاندی کا چاندی سے، گہوں کا گہوں سے، جو کا جو سے، کھجور کا کھجور سے، اور نمک کا نمک سے اس طرح ہونا چاہئے کہ جیسے کا تیسرا، برابر برابر اور دست بدست ہو“۔ ان الفاظ کے ساتھ، یا اس مفہوم و معنی کی حدیث نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے۔ اب

سوال یہ ہے کہ ﴿الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ﴾ عام ہے یا خاص؟ ظاہر ہے کہ یہ عام ہے چاہے جس طرح ہو، رضامندی سے ہو، یا ظلم و استحصال سے۔ اسی طرح ﴿الْبُرُّ بِالْبُرِّ﴾ اور ﴿التَّمْرُ بِالتَّمْرِ﴾ بھی عام ہے اور ﴿الشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ﴾ بھی عام ہے، اس میں کسی قسم کی تخصیص نہیں ہے۔

پھر اس عالم سے کہو کہ آپ اس حدیث کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو سنت سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس خیبر کی عمدہ کھجور لائی گئی، آپ نے دریافت فرمایا کہ: کیا خیبر کی ساری کھجور ایسے ہی عمدہ ہے؟ صحابہ کرام نے کہا کہ نہیں! ہم دو صاع کے بدلہ میں اس کھجور کی ایک صاع لیتے ہیں اور تین صاع کے عوض دو صاع۔ یہ سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”یہ عین سود ہے، تم ردی کھجور کو درہم سے بیچ دو، پھر درہم سے عمدہ کھجور خریدو“۔ اب بتائیے کہ کیا اس میں بھی ظلم و استحصال ہے؟ جب آپ ایک صاع عمدہ کھجور کے بدلہ دو صاع ردی کھجور لیتے ہیں، تو کیا یہ بھی ظلم ہے؟ جواب یہ ہے کہ ”یہ ظلم نہیں ہے“۔ کیونکہ دونوں کی قیمت برابر ہی ہے اور اس میں کوئی ظلم نہیں ہے، گرچہ ردی کھجور مقدار میں زیادہ ہے مگر عمدہ کھجور مقدار میں کم ہونے کے باوجود اس سے صفت (قیمت) میں زیادہ ہے، پھر اس میں ظلم کا سوال ہی نہیں، لیکن اس کے باوجود رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ﴿أَوْهَ، عَيْنَ الرَّبَا، عَيْنَ الرَّبَا﴾ (بخاری ۴/۳۳۱) ”ہائیں، یہ عین سود ہے، قطعاً سود“۔

اس وضاحت سے ثابت ہو گیا کہ جس شخص نے یہ کہا: ”جس سود میں ظلم نہ ہو وہ حلال ہے“۔ اس نے اجتہاد میں غلطی کھائی ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت کو اللہ

کے رسول ﷺ سے بڑھ کر نہیں جان سکتا۔ اور نبی کریم ﷺ نے اسے سو د قرار دیا ہے، حالانکہ اس میں کوئی ظلم نہیں ہے۔ (اس لئے تجارتی و استثمارى سود کو جائز کہنے والوں کو اپنے فتویٰ پر نظر ثانی کر لینا چاہئے)۔

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”اس آدمی نے مارے خوشی کے غلطی کر دی“۔ یعنی جب وہ اونٹنی کی واپسی سے مایوس ہو کر سو گیا اور جب اٹھا تو دیکھا کہ اس کی اونٹنی کھڑی موجود ہے، تو اس خوشی میں اس کی زبان بے قابو ہو گئی اور وہ ﴿أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ﴾ ”تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں“ کہہ بیٹھا، جبکہ وہ ﴿اللَّهُمَّ أَنْتَ رَبِّي وَأَنَا عَبْدُكَ﴾ ”اے اللہ! تو میرا رب ہے اور میں تیرا بندہ ہوں“ کہنا چاہتا تھا۔

چنانچہ اگر کوئی انسان سبقت لسانی کے سبب غلطی سے کلمہ کفر کہہ بیٹھے، تو اسے ہرگز کافر نہیں قرار دیا جائے گا، البتہ اگر وہ بطور مذاق، یا بطور استہزاء کلمہ کفر کہے، تو اسے کافر قرار دیا جائے گا۔

اس تفصیل سے یہ ثابت ہو گیا کہ انسان کبھی زبان سے بے خودی میں کلمہ کفر کہہ دیتا ہے، لیکن شرعی موانع کے سبب اسے کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔ اسی طرح کفر سے موانع میں ایک ”جبر و اکراہ“ (مجبور کیا جانا) بھی ہے، اس لئے اگر کسی شخص کو کلمہ کفر کہنے پر مجبور کر دیا جائے، تو کیا اس سے وہ کافر قرار پائے گا؟ جواب یہ ہے کہ نہیں! کیونکہ قرآن کہتا ہے: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أَكْرَهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ وَلَكِنْ مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ

غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۶﴾ (النحل: ۱۰۶) ”جو شخص اپنے ایمان کے بعد اللہ سے کفر کرے، بجز اس کے جس پر جبر کیا جائے اور اس کا دل ایمان پر برقرار ہو، مگر جو کوئی کھلے دل سے کفر کرے، تو ان پر اللہ کا غضب ہے اور انہی کے لئے بہت بڑا عذاب ہے“۔ پس میں کہتا ہوں کہ بعض لوگ آدمی پر کفر کا فتویٰ لگانے میں جلد بازی کرتے ہیں جو حقیقت میں کفر کا اہل نہیں ہے۔

کفر سے موانع میں ایک مانع یہ بھی ہے کہ انسان بلا قصد و ارادہ اور بے خودی میں کلمہ کفر کہہ بیٹھے، مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”بندہ جب توبہ کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ سے اس آدمی سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جو ایک چٹیل میدان میں ہوتا ہے، اس کا جانور اس سے بدک جاتا ہے، جس پر کھانے پینے کا سارا سامان لدا ہوا تھا، وہ اپنی سواری سے بالکل مایوس ہو کر ایک درخت کے سایہ میں سو جاتا ہے، جب وہ بیدار ہوتا ہے تو دیکھتا ہے کہ اس کی سواری اس کے پاس کھڑی موجود ہے، وہ اس کی لگام پکڑ لیتا ہے اور مارے خوشی کے بے خودی میں کہتا ہے: ﴿اللَّهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ﴾ ”اے اللہ! تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں“۔ بتائیے کہ یہ کلمہ کفر ہے، یا کلمہ ایمان؟ ہاں! یہ کلمہ کفر ہے! کیا آپ اللہ سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں؟؟؟ یہ کلمہ کفر ہے، لیکن اس نے بلا قصد و ارادہ اور بے خودی میں کہا ہے، جس سے وہ ہرگز کافر نہیں ہو سکتا۔

الغرض میں اپنے مسلمان بھائیوں کو گروہ بندی، فرقہ بندی اور اختلاف و افتراق چھوڑ کر آپس میں پیار و محبت اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ رہنے کی دعوت دیتا

ہوں اور اس امر کی بھی دعوت دیتا ہوں کہ ایک بھائی اپنے دوسرے مسلمان بھائی کے بارے میں اختلافی مسائل اور اختلافی معاملات میں پورے کنٹرول، وقار و سکون اور اخلاص کے ساتھ زبان کھولے، اگر اس کی نیت اچھی ہوگی، تو اللہ تعالیٰ ان میں اتفاق و اتحاد کا راستہ سہل تر بنا دے گا۔

میں دوبارہ کہتا ہوں کہ جب یہ معلوم پڑ گیا کہ کفر کا حکم لگانے میں جلد بازی جائز نہیں ہے، کیونکہ کفر کا حکم لگانے کے لئے تمام موانع کا نہ ہونا ضروری ہے۔ اس لئے جب تمام شرائط پائے جائیں اور سارے موانع نہ پائے جائیں تو اس وقت کفر کا حکم لگایا جائے گا، اگر اس پر کتاب و سنت کے دلائل موجود ہیں۔

کفر کا حکم لگانا ہمارا حق نہیں ہے، اس کا سارا حق و اختیار صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو حاصل ہے۔ کیونکہ یہ نہایت عظیم و اہم حکم ہے جس سے بہت سارے احکام وابستہ ہیں، کیونکہ کفر نعوذ باللہ مرتد ہوتا ہے، اگر وہ اصل میں مسلمان تھا، اور مرتد جو اپنی اصل پر قائم نہیں ہے اور جو اسلام کا صرف زبان سے مدعی ہے، اگر وہ اسلام میں دوبارہ واپس آجائے جس سے وہ خروج کر چکا تھا، تو وہ اپنی جان کو محفوظ کر لے جائے گا، ورنہ اس کا قتل واجب ہوگا۔

اور مشہور اختلاف میں (اور یہ ہمارے ملک میں کم ہے اور دوسرے ممالک میں زیادہ ہے) نماز میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد دونوں ہاتھوں کو لمبا چھوڑ دینے، یا دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر باندھنے کا مسئلہ ہے۔ کیا سنت دونوں ہاتھوں کو چھوڑ دینا ہے، یا بائیں ہاتھ پر دائیں ہاتھ کو دوبارہ رکھ لینا ہے؟ یہ علماء کے درمیان موضوع

اختلاف بنا ہوا ہے۔ اور تاہم بعض لوگوں کو دیکھا جاتا ہے کہ جب وہ اپنے مخالف کو دیکھتا ہے، تو اس کے دل میں اس کے خلاف حقہ و کینہ بھر جاتا ہے اور اس سے بغض و عداوت رکھنے لگتا ہے۔ یہ غلط ہے، یہ خطا ہے اور یہ بالکل نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ یہ مسئلہ ان مسائل میں سے ایک ہے جس میں اجتہاد کی گنجائش موجود ہے۔ کبھی انسان اجتہاد کرتا ہے اور صحیح اجتہاد کرتا ہے، اور کبھی وہ غلط اجتہاد کر بیٹھتا ہے مگر دونوں ہی کو اجر ملتا ہے۔ ہاں! یہ اور بات ہے کہ غلطی کر جانے والے کو ایک اجر ملتا ہے اور صحیح و درست اجتہاد کرنے والے کو دو ہر اجر۔

اختلافی مسائل میں ایک جلسہ استراحت والا مسئلہ بھی ہے، جو دوسری رکعت، یا چوتھی رکعت کے لئے قیام کے وقت تھوڑی دیر کے لئے بیٹھنے کو کہتے ہیں۔ اس مسئلہ میں بھی ہمارے اخوان اختلاف کرتے ہیں، خصوصاً وہ نوجوان جو سنت پر عمل کرنا محبوب جانتے ہیں۔ آپ اس شخص کو دیکھیں گے جو جلسہ استراحت کو سنت کہتے ہیں، اس آدمی سے نفرت کرتا ہے جو جلسہ استراحت نہیں کرتا اور اس کے خلاف اس کے دل میں بغض و کینہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ یہ انتہائی غلط ہے، خطا ہے، جفا ہے۔ آپ اس شخص سے کیوں نفرت کرتے ہیں جو سمجھتا ہے کہ یہ جلسہ استراحت سنت نہیں ہے۔ اگر ہم اس کو آپ ہی کی ترازو سے تولنا شروع کر دیں، تو ہم کہیں گے کہ وہ بھی آپ کو ناپسند کر سکتا ہے، کیونکہ اس کے خیال میں سجدہ سے سیدھے قیام کرنا سنت ہے۔

افسوس کہ اس طرح کے مسائل نوجوان طبقہ میں بہت زیادہ ہیں۔ اور یہ مشاہدہ کیا جا رہا ہے کہ ایک دوسرے کو غلط ہی نہیں بتاتا، بلکہ اس سے بڑھ کر اسے

گمراہ کہتا ہے۔ ہم مذکورہ مسائل میں اپنی رائے کی طرف رجوع کرتے ہیں اور پہلے مسئلہ کی طرف بھی کہ پہلے ہاتھ رکھنا چاہئے، یا گھٹنہ؟ تو میں کہتا ہوں اور جو میری تحقیق سے ثابت ہوا ہے، کہ جب جلسہ استراحت کی ضرورت پڑے، تو وہ سنت ہے۔ علامہ موفق الدین صاحب المعنی اور علامہ ابن قیم رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور یہی ظاہر سنت بھی ہے، کیونکہ یہ فعل اور انسان کا قیام کے وقت اپنے ہاتھوں پر ٹیک لگانا اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ قیام کرنے والا اس جلسہ کا محتاج ہے۔ اور دوسرا مسئلہ گھٹنے سے پہلے ہاتھ رکھنے کا، تو اس میں ہمارے خیال میں صحیح یہ ہے کہ ہاتھ سے پہلے گھٹنہ رکھا جائے، کیونکہ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے زیادہ ضعیف ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ہاتھ سے پہلے گھٹنہ رکھتے تھے (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ۱۶۵/۱) اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث: ﴿إِذَا سَجَدَ فَلَا يَبْرُكُ كَمَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ وَيَضَعُ يَدَيْهِ قَبْلَ رُكْبَتَيْهِ﴾ (ابوداؤد، نسائی، ۱۴۹/۱، احمد، ۲/۳۸۱) ”آدمی جب سجدہ کرے تو اس طرح نہ بیٹھے جیسے اونٹ بیٹھتا ہے اور اپنے دونوں ہاتھوں کو گھٹنے سے پہلے رکھے“۔ تو ظاہر ہے کہ بقول ابن قیم رحمہ اللہ یہ حدیث مقلوب ہے۔ اور صحیح یہ ہے: ﴿وَلْيَضَعْ رُكْبَتَيْهِ قَبْلَ يَدَيْهِ﴾ ”کہ اپنے گھٹنوں کو ہاتھ سے پہلے رکھے“۔ کیونکہ جب اونٹ بیٹھتا ہے، تو اپنے ہاتھوں کو پہلے رکھتا ہے، تو آپ دیکھیں گے کہ اونٹ کا اگلا حصہ پچھلے حصہ سے پہلے زمین کی طرف گرتا ہے، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے: ﴿فَلَا يَبْرُكُ عَلَى مَا يَبْرُكُ الْبَعِيرُ﴾ ”اس پر نہ بیٹھے جس پر اونٹ بیٹھتا

ہے، نہیں فرمایا، بلکہ آپ نے: ﴿فَلَا يَتْرُكُ كَمَا يَتْرُكُ الْبَعِيرُ﴾ ”اس طرح نہ بیٹھے جس طرح اونٹ بیٹھتا ہے“ فرمایا، اور ”ک“ یہاں صفت و ہیئت دونوں میں تشبیہ کے لئے ہے۔ اس طرح حدیث کا پہلا ٹکڑا آخری ٹکڑے کے موافق ہو جائے گا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ، وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَىٰ آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ۔

محمد بن صالح العثیمین

ترجمہ

مشاق احمد کریمی

موسس و صدر الہلال ایجوکیشنل سوسائٹی کٹیہار، بہار

فراغت ترجمہ: ۲۹/۴/۱۴۱۹ھ مطابق ۲۱/۸/۱۹۹۸ء

بروز جمعہ بعد نماز عصر، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَبِنِعْمَتِهِ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

عرض مترجم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ:

میرے پیارے بھائی! اسلام پیار و محبت کا دین ہے، اس میں اخوت و بھائی چارگی کی خصوصی تعلیم دی گئی ہے۔ امن و شانتی، صلح و آشتی اور باہم اتحاد و یگانگت کا پیغام اگر کسی تعلیم میں نہ ہو، تو وہ اسلامی تعلیم نہیں ہو سکتی۔ یہی سبب ہے کہ اسلام میں جتنی زیادہ تاکید و اہمیت باہم اتفاق و اتحاد سے رہنے کو دی گئی ہے، اس سے کہیں زیادہ باہم اختلاف و افتراق، خلفشار و انتشار، فرقہ و گروہ بندی، آپس میں حقد و کینہ، بغض و حسد، عداوت و دشمنی اور کی مذمت کی گئی ہے۔ مگر بد قسمتی سے امت مسلمہ اس سے کہیں بڑھ کر اسی کا شکار و گرفتار ہے جس سے شدید طور پر منع کیا گیا ہے۔

آج